

نماز کے اوقات

عبداللہ بن رافع اور ابو ہریرہ کی گفتگو

[۹] وحدثنی عن مالک عن یزید بن زیاد عن عبد اللہ بن رافع مولى
ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انه سأل ابا هريرة عن وقت
الصلاة. فقال: ابو هريرة: انا اخبرك:

صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ، وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلِكَ،
وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَالْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلِّ
الصُّبْحَ بِغَبَشٍ يَعْنِي الْغُلَسَ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام سلمیٰ کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن رافع نے ابو ہریرہ سے
نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا میں تمھیں بتائے دیتا ہوں:

”ظہر اس وقت پڑھو، جب تمھارا سایہ تمھاری قامت کے برابر ہو، اور عصر اس وقت پڑھو جب
تمھارا سایہ تمھاری قامت سے دگنا ہو۔ مغرب سورج ڈوبنے پر پڑھو، اور عشا اس کا وقت ہونے سے
لے کر ایک تہائی رات کے درمیان میں پڑھو۔ اور صبح کی نماز تاریکی میں پڑھو۔“

شرح

مفہوم و مدعا

یہ روایت ابو ہریرہ کا اثر ہے۔ اس میں وہی اوقات بتائے گئے ہیں۔ جو کچھ کلی تمام روایتوں میں بتائے جا رہے ہیں۔ البتہ ظہر اور عصر کے وقت کے بیان کے لیے انھوں نے سایے کے مثل اور مثلین ہونے کا اسلوب استعمال کیا ہے۔ یہ اسلوب امامت جبریل والی روایتوں میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

جواب کی نوعیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ بن رافع نے پسندیدہ اوقات کے خاتمہ سے متعلق سوال کیے تھے۔ یہی رائے صاحب المُنشئ شرح موطا امام مالک نے اختیار کی ہے۔ البتہ انھوں نے پسندیدہ اور غیر پسندیدہ اوقات کا امتیاز نہیں کیا۔

لغوی مسائل

’اذا كان ظلك مثلك، اذا كان ظلك مثلك‘ میں ’مثل‘ کا مضاف الیہ حذف ہے۔ مراد ہے ’اذا كان ظلك مثل قائمتك‘ اور اسی طرح دوسرے جملے میں ہے۔ ہم نے ترجمہ میں اسے بیان کر دیا ہے۔

درايت

اس روایت میں ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے غلام نے ابو ہریرہ سے وقت پوچھا ہے۔ یہ بات اچنبھے کی ہے اس لیے کہ روایت تو وہ ابو ہریرہ سے کر سکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام سلمیٰ کے مولیٰ ہوتے ہوئے، مدینہ میں رہتے ہوئے، جہاں شب و روز نماز پڑھی جا رہی ہے انھیں سوال پوچھنے کی حاجت کیوں پیش آئی؟ اس کی یقیناً کوئی وجہ ہوگی، جو روایت میں موجود نہیں ہے اور نہ کوئی قرینہ ہی ایسا ہے کہ جس سے ہم اس سبب تک پہنچ سکیں۔

البتہ ابو ہریرہ کے جواب کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھیں بتائے گئے پسندیدہ اوقات میں اواخر کے بارے میں کوئی اشتباہ ہوگا، جسے انھوں نے ابو ہریرہ سے پوچھ کر دور کیا ہو۔

دیگر طرق

ایک طریقے میں عشا کے وقت کو بتانے کے بعد ابو ہریرہ کے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:
... فان نمت الى نصف الليل فلا نامت عيناك ... (مصنف عبدالرزاق، رقم ۲۰۴۱)
”... تو اگر تم آدھی رات تک سوتے رہے تو اللہ کرے تیری آنکھ نہ سوئے...“

یہ الفاظ وہی ہیں جو سیدنا عمر نے بھی اپنے خط میں لکھے تھے۔ ممکن ہے دونوں بزرگوں نے ایک ہی اسلوب اختیار کیا ہو، یا راویوں نے التباس کر دیا ہو۔

عصر اور مغرب کا درمیانی وقفہ

[۱۰] وحدثني عن مالك عن اسحاق بن عبد الله بن ابى طلحة عن
انس بن مالك انه قال:
كُنَّا نَصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ
فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ.
انس بن مالک کہتے ہیں کہ

”ہم عصر پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی آدمی بنو عمرو بن عوف کے مساکن کی طرف جاتا، وہاں پہنچتا تو
دیکھتا کہ وہ عصر پڑھ رہے ہوتے تھے۔“

[۱۱] وحدثني عن مالك عن ابن شهاب عن انس بن مالك انه قال:
كُنَّا نَصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ
مُرْتَفَعَةٌ.

انس بن مالک کہتے ہیں:

”ہم عصر پڑھتے اور کوئی قبا جانے والا قبا جاتا تو جب وہاں پہنچتا تو سورج ابھی بلند ہوتا۔“

شرح

مفہوم و مدعا

یہ دونوں روایتیں بتاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اول وقت ہی میں ادا کر لیتے تھے۔ اور اتنا وقت ہوتا تھا کہ ایک نمازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر نکلتا تو، وہ بنو عمرو بن عوف کے علاقے میں آ کر دیکھتا کہ وہ ابھی نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ مدینہ سے بنو عمرو کے اس دیار کا فاصلہ شارحین نے دو میل بتایا ہے۔ (شرح الزرقانی ۲۴:۱) اسی طرح دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی قبا پہنچتا تو سورج ابھی روشن ہوتا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ دور نبوی ہی میں عصر کی نماز کا معمول مختلف مقامات پر مختلف تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تھے، تو مسلمانوں کی دوسری بستیوں میں نماز اس کے بعد ہوتی تھی۔ بنو عمرو کا دیار انھی نواحی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ یہ مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

درایت

قرآن و سنت سے تعلق

سنت میں متعین کردہ وقت میں نماز پڑھنے کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسوہ قائم کیا ہے کہ اس کے اول وقت میں نماز پڑھی جائے الا یہ کہ اس میں کوئی مانع ہو۔ اس روایت میں عصر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسے بالعموم بہت جلدی ادا کر لیتے تھے۔ پچھلی روایت میں ہم عصر کی تعجیل میں پیش نظر مسائل پر گفتگو کر چکے ہیں۔

احادیث باب پر نظر

یہ روایت انس بن مالک کی ہے اور اس میں یہ واضح نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بات کر رہے ہیں یا بعد کے زمانے کی۔ لیکن چونکہ یہ ایک صحابی ہیں اس لیے یہ غالب امکان ہے کہ ان کی یہ روایت دور نبوی ہی سے متعلق ہوگی اور کئی روایات، جو مدینہ سے عصر پڑھ کر اس کے نواحی علاقوں میں جانے کے مضمون کی حامل

ہیں، ان میں سے بعض میں یہ ذکر موجود ہے کہ ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تھا۔ مثلاً انس بن مالک ہی کی روایت ہے:

عن انس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي العصر والشمس مرتفعة حية فيذهب الذاهب الى العوالى فيأتيهم والشمس مرتفعة (وبعض العوالى من المدينة على اربعة اميال او نحوه). (بخاری، رقم ۵۲۵)

”حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر پڑھایا کرتے اور سورج ابھی بلند اور روشن ہوتا، چنانچہ جانے والا مدینہ کی نواحی بستیوں میں جاتا اور سورج ابھی اونچا ہی ہوتا۔ (مدینہ کی یہ نواحی بستیاں تین یا چار میل کے فاصلے پر تھیں)۔“

یہ مضمون بہت سی روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت جبریل والی روایت میں جو وقت بیان کیا گیا ہے، صحابہ اس کے دوران میں کسی بھی وقت نماز ادا کر لیتے تھے۔ اسی لیے یہ ممکن تھا کہ وہ مدینہ سے نماز پڑھ کر نکلتے، اور دو تین میل چل کر کسی نواحی علاقے میں پہنچتے تو تب بھی انھیں عصر پڑھتے ہوئے پاتے۔ ظاہر ہے یہ بھی ممکن تھا جب وہ مسجد نبوی کے وقت سے تاخیر کر کے عصر پڑھتے ہوں۔

اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جس نے پسندیدہ وقت کے آغاز و اختتام کے مابین جب بھی نماز پڑھ لی، وہ پسندیدہ ہوگی۔ پھر اس میں آدمی کی نیت اور اس کا تقویٰ ہی فرق ڈال سکتا ہے۔

اگر ان دونوں روایتوں کا باہمی موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عوف کی بستی دو میل کے فاصلے پر ہے اور قبا تقریباً تین میل، یعنی دو میل کے فاصلے پر وہ لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پاتے ہیں اور تین میل کے فاصلے پر وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ سورج ابھی بلند ہوتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سورج بلند ہے، مگر اتنا بھی بلند نہیں کہ لوگوں کو باجماعت نماز پڑھتے ہوئے پانا ممکن ہو۔ ہم نے سیدنا عمر کے خطوط میں فرسخین کے حوالے سے جو بات کہی ہے، اس کی بھی اس سے تائید ہوتی ہے کہ دو یا تین فرسخ ایک اندازہ کے لیے ہیں نہ کہ تعین کے لیے۔